تاریخ تدوینِ قرآن مجید

مستشرقین کے اعتراضات کے تناظر میں

ڈاکٹر حافظ محمود اختر، پنجاب یونیورسٹی لاہور

قرآن مجید خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو انسانیت کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی[۱] اور اس کے کسی غلطی یا تغیر و تبدل سے محفوظ و مامون ہونے کا اعلان فرمایا[۲]۔ ان تمام الٰہی ضمانتوں کے باوجود مسلمانوں نے عالم اسباب[۳] میں بھی حفاظت متن قرآن مجید میں وہ کوششیں کی ہیں جو یقیناً اپنی مثال آپ ہیں اور جن کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن مجید کے مقام و مرتبے کے حوالے سے مشرکینِ مکہ نے بھی اس کی شدید ترین انداز سے مخالفت کی انہوں نے لوگوں کو اس سے بدگمان کر کے اس سے دُور کرنے کی تمام کوششیں کیں کبھی اسے ساحر کا کلام کہا، کبھی کاھن کا، کبھی شاعر کا کلام کہا تو کبھی اسے (نعوذ باللہ) ایک مجنوں کی زبان کہہ دیا۔ ان کی ساری کوششیں اسی مقصد کے تحت تھیں کہ لوگوں کو اس سے بدگمان کر دیا جائے۔

مسلمانوں کے سیاسی زوال اور ان پر اہلِ مغرب کی سیاسی یلغار کے آغاز کے بعد قرآن مجید کو معاندین کے ایک اور گروہ سے واسطہ پڑا۔ یہ گروہ مشرکینِ مکہ سے کہیں زیادہ تعصب اور انکارِ حقیقت کے طوفان میں گھرا ہوا تھا۔ یہ گروہ مستشرقین کا گروہ تھا۔ اس نے قرآن دشمنی میں کتمان حق اور مسخ حقائق کی تمام حدود کو تہہ و بالا کرتے ہوئے قرآن مجید کے بارے میں ایسی بے سروپا باتیں کیں کہ فہم و شعور رکھنے والا ہر شخص انگشت بدنداں رہ گیا۔ انہوں نے قرآن مجید کو انسان کا کلام قرار دیا اور اس میں

تحریف ثابت کرنے کے لئے دلائل گھڑے۔

آئندہ سطور میں ہم مستشرقین کی اسی جسارت کا تجزیہ دلائل اور شواہد کی بنیاد پر پیش کریں گے۔

مستشرقین نے قرآن مجید میں تحریف ثابت کرنے کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں ان کا خلاصہ ہم یوں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ عہد نبوی میں ـــــ قرآن مجید مکمل طور پر لکھا ہوا موجود نہ تھا۔[۳]

۲۔ باقاعدہ تدوین قرآن اور نزول قرآن کے درمیانی عرصے میں بہت سا قرآن ضائع ہوگیا۔[۴]

۳۔ حفاظت قرآن کا دارومدار حفظ پر ہی تھا۔[۵]

۴۔ جن اشیاء پر قرآن لکھا جاتا تھا وہ قابل اعتبار نہیں تھیں۔[۶]

۵۔ تدوین قرآن کی روایات میں اختلافات ہیں لہذا ناقابل اعتبار ہیں۔[۷]

۶۔ آپؐ سُنے سنائے واقعات لکھا کرتے تھے۔ اس لئے قرآن مجید میں بہت سے واقعات غلط طور پر بیان ہوئے ہیں۔[۸]

۷۔ عہد نبوی میں ہی قرآن میں اختلافات پائے جاتے تھے۔[۹]

۸۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن مجید کی کچھ آیات بکری کھا گئی۔[۱۰]

۹۔ قرآن مجید کے متن کی تحقیق کے لئے مسلمانوں نے کبھی کوشش ہی نہیں کی اور یہ کام ابھی تک اپنے ابتدائی مرحلے ہی میں ہے۔[۱۱]

مستشرقین کے یہ اعتراضات اور تاریخ تدوین قرآن مجید کے بارے میں ان کا یہ نقطہ نگاہ تقریباً سبھی مستشرقین میں مشترک طور پر موجود ہے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کی کتب سے ہی بعض ضعیف اور ناقابل اعتبار روایات کی بنیاد پر یا بعض روایات کے من مانے معانی کرکے مخصوص نتائج حاصل کئے ہیں۔

ان اعتراضات کے ردّ اور حقیقت حال کی وضاحت کے لئے ہم سب سے پہلے تاریخ تدوین قرآن مجید کے حوالے سے تفصیلات پیش کریں گے تاکہ واضح ہوجائے کہ تحریر قرآن کے حوالے سے کیا کیا ذرائع اختیار کئے گئے۔ یہ ذرائع کتابت قرآن اور حفظ قرآن کے ذرائع ہیں۔ ان ذرائع کی موجودگی میں اس بات کا امکان باقی نہیں رہ جاتا کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع ہوگیا ہوگا۔

مستشرقین نے اسلامی ماخذ سے روایات حاصل کرکے قرآن پر اعتراضات اُچھالے ہیں۔ ہم ان

کے نقطہ نگاہ کا رد کرتے ہوئے انہی مآخذ سے روایات پیش کریں گے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ انہوں نے روایات کا کس طرح یک طرفہ اور جانبدارانہ مطالعہ کیا ہے۔

ہم اپنا جواب مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ پیش کریں گے۔

۱۔ قرآن مجید کے شروع دن سے ہی لکھا ہوا ہونے پر اس کے داخلی شواہد۔

۲۔ تاریخ تدوینِ قرآن مجید اور اہتمامِ کتابت۔

۳۔ عہد نبوی میں قرآن کے مکتوب ہونے پر دلائل و شواہد۔

۴۔ ان اشیاء پر تحقیقی نظر جو کتابت کے لئے استعمال کی جاتی تھیں۔

۵۔ عہد نبوی میں قرآن مجید کے اہم مکمل نسخے۔

۶۔ کیا مسلمانوں نے تدوینِ قرآن میں صرف حفظ پر ہی بھروسہ کیا؟

۷۔ تدوین قرآنِ مجید کے حوالے سے چند متعارض روایات کا تحقیقی جائزہ۔

۸۔ نامور کاتبانِ وحی۔

۹۔ کیا قرآنِ مجید، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سُنے سُنائے واقعات ہیں؟

۱۰۔ کیا عہد نبوی میں وحی قرآنِ مجید میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے؟

شروع سے ہی قرآن مجید کے لکھا ہوا ہونے پر اس کی داخلی شہادت

قرآنِ مجید کی کتابت کا کام نزول وحی کے ساتھ ساتھ ہی سرانجام دیا جا رہا تھا۔ اس پر قرآنِ مجید کی داخلی شہادت بھی موجود ہے

ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرانه فاتبع قرانه [۲]

ترجمہ: اس قرآن مجید کو جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا کام ہے۔ پس جب ہم پڑھنے لگیں تو ہمارے ساتھ پڑھیں۔

اس آیت مبارکہ میں تاکید جملہ کے لئے "اِنَّ" اور حصر کے لئے "علینا" مقدم کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جمع کرنا صرف ہمارا ہی کام ہے اور یہ کام ہم ضرور کریں گے۔

جمع کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ جمع صدر یعنی سینے اور حافظے میں محفوظ کرنا۔
۲۔ جمع مکتوبی یعنی تحریر کے ذریعے جمع و محفوظ کرنا۔

جمع صدر کے بارے میں قرآن مجید میں ہے،

بل ھو ایات بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم[۳]

یہ کتاب روشن آیات کا مجموعہ ہے جو علم والوں کے سینوں میں موجود ہے۔

کتابت کے بارے میں بھی یوں ارشاد ہے،

والطور ۝ وکتاب مسطور ۝ فی رق منشور[۴]

یعنی یہ کتاب قرآن مجید کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔

سورۃ الواقعہ میں فرمایا،

انہ لقرآن کریم۔ فی کتاب مکنون۔ لا یمسہ الا المطھرون[۵]

ترجمہ: قرآن مجید عزت والی کتاب ہے جو محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کو پاک لوگ چھوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس ضمن میں قرآن مجید کے مندرجہ ذیل مقامات پر بھی اس کے مکتوب ہونے پر دلیل موجود ہے۔

سورۃ عبس ۱۳-۱۶ سورۃ البینۃ ۲-۳ سورۃ البروج ۲۱-۲۲ سورۃ الفرقان ۵

قرآن مجید اپنے آپ کو الکتاب سے متعارف کراتا ہے۔[۶]

سورۃ الفرقان میں کفار کا ایک اعتراض نقل کیا گیا ہے کہ قرآن مجید یکبارگی کیوں نہیں نازل ہوگیا اس سلسلے میں قرآن یوں معاملے کی وضاحت کرتا ہے"

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القران جملۃ واحدۃ کذالک لنثبت بہ فوادک ورتلنہ ترتیلا[۷]

یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید یکبارگی کیوں نہیں نازل کر دیا گیا۔ (یہ اس لئے نہیں کیا گیا) تاکہ آپ کے قلب کو تسلی دی جا سکے اور تاکہ ہم اسے ٹھہر ٹھہر کر ادا کریں۔

گویا آہستہ آہستہ نزول قرآن مجید کی دو حکمتیں بیان کی گئیں۔

(۱) قلب محمدی کو تسلی دینا۔ (۲) ترتیل

لغت میں ترتیل "ہم جنس اشیا کو عمدہ طریقے سے بالترتیب رکھنا" کو کہتے ہیں۔
قاموس میں ہے،

"الرتل حسن تناسق الشیئ"[۱۸]

یعنی ترتیب دینا۔ کلام کو بہتر اور عمدہ طریق سے ادا کرنا۔ خوش الحانی سے پڑھنا۔
اساس البلاغۃ میں اس کا معنی یوں بیان ہوا ہے۔

"حسن التالیف"[۱۹]

اور حسن تالیف کی ایک شکل یہ ہے کہ کلام جن کلمات سے مرکب ہو ان کو مضمون وار مرتب کرتے وقت مناسب موقع ومحل پر رکھا جائے۔

عہد نبوی میں کتابت وحی کے بارے میں تفصیلی روایات ملتی ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"کنت اکتب الوحی لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکان اذا نزل علیہ الوحی اخذتہ برحاء شدیدۃ وعرقاً مثل الجمہان ثم سری عنہ، فکنت ادخل علیہ بقطعۃ الکتف اوکسوۃ فاکتب وھو یملی علی فما افرغ حتی تکاد رجلی تنکسر من ثقل القرآن حتی اقول لا امشی علی رجلی ابداً فاذا فرغت قال اقرأ فاقرأہ فان کان فیہ سقط اقامہ ثم اخرج بہ الی الناس۔"[۲۰]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کیا کرتا تھا۔ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تھی اور آپ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ پھر آپ پر یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپ لکھواتے اور میں لکھتا جاتا۔ یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہو جاتا تو قرآن لکھنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا۔ جب میں فارغ ہو جاتا تو آپ فرماتے پڑھو۔ میں پڑھ کر سناتا اگر لکھائی میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو

آپ اس کی اصلاح فرما دیتے پھر میں اس کو لے کر لوگوں کی طرف آجاتا۔"
علامہ طبرانی نے یہ روایت اپنی معجم طبرانی اوسط میں بیان فرمائی ہے اور اس کی سند میں موجود رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔[۲۱]

علامہ نورالدین الھیثمی نے اس سلسلے میں یہ روایت بیان کی ہے۔

"قال عثمان كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ياتى عليه الزمان وهو ينزل عليه السور ذوات العدد فكان اذا نزل عليه الشيئ دعا بعض من كان يكتب فيقول ضعوا هولاء الايات فى سورة التى يذكر فيها كذا وكذا فاذا نزل عليه فيقول ضعوا هذه الاية فى سورة يذكر فيها۔"[۲۲]

ترجمہ: عثمانؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولِ مبارک تھا کہ جب کبھی ایک یا ایک سے زائد سورتیں نازل ہوتیں تو آپ کسی کاتب کو بلاتے اور فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت میں شامل کر دیں۔ اس طرح جب کوئی آیت نازل ہوتی تو اس کے بارے میں فرما دیتے کہ اسے فلاں سورت میں شامل کر دیں۔

علامہ الہیثمی کی بیان کردہ روایت کے ہم مضمون روایات، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد، مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان اور الاتقان میں موجود ہیں۔[۲۳]

علامہ بدرالدین عینی نے بھی عمدۃ القاری میں تفصیلات کا ذکر کیا ہے۔[۲۴] مسند احمد میں عثمان بن ابی العاصؓ سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میرے پاس جبرائیل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو جو فلاں سورت کی ہے اُسے فلاں مقام پر لکھ لوں وہ آیت ان الله يامر بالعدل والاحسان (النحل۔ ۹۰) تھی۔[۲۵]

اسی طرح ایک روایت بخاری شریف میں بھی ہے۔

لما نزلت لا يستوى القاعدون من المومنين غير اولى الضرر والمجاهدون فى سبيل الله قال النبى صلى الله عليه وسلم ادع لى زيداً وليجئى باللوح والقلم والكتف او الكتف والدواة ثم قال اكتب لا يستوى[۲۶]

ترجمہ : جب آیت لا یستوی القاعدون..... نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زید کو بلاؤ اور وہ تختی اور قلم لے کر آئیں پھر فرمایا لکھیں ۔

لا یستوی القاعدون ......

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے بعد جس کام کے لئے سب سے زیادہ مستعد و بے چین ہوتے تھے وہ کتابت وحی کا مسئلہ ہوتا تھا۔[۲۷] یہ بات بھی ثقہ روایات سے ثابت شدہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے اور آخری رمضان المبارک میں دور دو مرتبہ کیا گیا۔[۲۸] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بات کا کوئی امکان موجود نہ تھا کہ قرآن مجید کا کوئی ایک شوشہ بھی ایسا ہو سکتا تھا جو ادھر ادھر ہو گیا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو جبریل علیہ السلام انہیں ضرور یاد کروا دیتے ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری وحی کے نزول کے بعد تقریباً نوّے روز تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ ان حالات میں اس بات کا بھی کوئی واقعاتی امکان باقی نہیں رہ جاتا کہ آپ نے اتنے طویل عرصے تک قرآن مجید کا کوئی حصہ ویسے ہی چھوڑ رکھا ہوگا۔

آرتھر جیفری کی بیان کردہ اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ "حضور کے بستر کے نیچے کچھ آیات ایسی پڑی رہ گئیں جو لکھائی نہیں گئی تھیں اور معلوم نہیں کہ ان آیات کے بارے میں کیا ہوا؟ اور ایک اور روایت یوں بھی ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیات بکری کھا گئی۔[۲۹]

ایک طرف مسلمانوں کی مستند اور ثقہ ترین کتب میں موجود ایسی روایات ہیں جو ایسے کڑے معیار سے گذر کر ان کتب میں محفوظ کی گئی ہیں جن کی نظیر دنیا کی کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتی، اور دوسری جانب مستشرقین کی قیاس آرائیاں اور غیر معتبر روایات ہیں۔ ہر ذی شعور اور صاحب فہم و ادراک شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ مستند روایات کو زیادہ اہمیت دی جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی — یہ حقیقت بھی ذہن میں رہے کہ حضورؐ اپنے فرض منصبی کے اعتبار سے بھی لازمی طور پر وہ سب کچھ جو آپ پر قرآن مجید کی صورت میں نازل ہوا، امت تک مکمل صورت میں پہنچانے پر مجبور تھے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"یایھا الرسول بلغ مآ انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ"[۳۰]

ترجمہ: اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر اپنے رب کی جانب سے جو کچھ نازل کیا گیا آپ اسے لوگوں تک پہنچادیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنا فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا۔

ان شواہد کے علاوہ بھی ہمارے پاس ایسے دلائل و روایات موجود ہیں جن میں عہد نبوی میں مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس مکمل قرآن مجید کے نسخے موجود ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

بخاری شریف، مسلم شریف، کنز العمال میں روایات ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس قرآن مجید کا نسخہ موجود تھا۔ بخاری والی روایت میں ہے کہ اس مصحف کی زیارت کے لئے ایک شخص عراق سے مدینہ طیبہ آیا تھا[۳۱]۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ابو یونس مولیٰ حضرت عائشہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مجھے قرآن مجید لکھ کر دینے کا حکم فرمایا[۳۲]۔ کنز العمال والی روایت میں ہے کہ ہشام بن عروۃ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نسخہ قرآن مجید سے تلاوت کی[۳۳]۔

تہذیب التہذیب میں حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ کے نسخے کا ذکر ہے[۳۴]۔ فتح الباری کی نویں جلد میں بھی اس سلسلے کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں[۳۵]۔ مسند احمد میں عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ کے بارے میں اس طرح کی روایت موجود ہے[۳۶]۔

حضورؐ کے متعدد فرامین اس سلسلے میں موجود ہیں کہ آپؐ نے قرآن مجید کو ناظرہ پڑھنے کی تلقین و ترغیب فرمائی اس سلسلے میں چند روایات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ عن عمرو ابن اوس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قراءتک نظراً تضاعف علی قراءتک ظاھراً کفضل المکتوبۃ علی النافلۃ"[۳۷]

عمرو ابن اوسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا اس کی زبانی تلاوت سے وہی نسبت رکھتا ہے جو فرض نمازوں کو نفل نمازوں پر ہے۔

۲۔ عن عبادۃ بن الصامتؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل عبادۃ امتی قراءۃ القرآن نظراً"[۳۸]

عبادہ بن صامت رضؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا میری امت کی افضل عبادت یہ ہے کہ دیکھ کر قرآن مجید پڑھا جائے۔

۳۔ من قرأ القرآن فی المصحف کتب له الفاحسنة ومن قرأ فی المصحف فالف حسنة [۳۹]

۴۔ عن عبد اللہ بن زبیر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن ناظراً حتی یختمه غرس اللہ له به شجرة فی الجنة" [۴۰]

جو شخص قرآن مجید دیکھ کر پڑھتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنّت میں ایک درخت لگا دیں گے۔

یہ چند روایات ہم نے مثال کے طور پر پیش کر دی ہیں۔ اس طرح کی متعدد روایات اور کتب حدیث میں بھی موجود ہیں جن سے عہد نبوی میں قرآن مجید کے مکتوب ہونے پر دلائل ملتے ہیں۔

"مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ حضرت زید ابن ثابت رضؓ کہتے ہیں۔

"کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ وسلم نولف القرآن فی الرقاع" [۴۱]

ترجمہ: ہم حضورؐ کے سامنے بیٹھ کر قرآن حکیم چرمی ٹکڑوں پر جمع کیا کرتے تھے۔

اس روایت کی تشریح میں مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔

"مختلف سورتوں میں وحی کے ذریعے جو اضافے ہوتے رہتے تھے، صحابہ حضورؐ کے سامنے بیٹھے انہیں جوڑتے رہتے تھے اور یوں تدریجاً قرآن کی ان سورتوں کے وہ نسخے جو صحابہؓ کے پاس جمع ہوتے چلے جاتے تھے مکمل ہوتے رہے۔ تالیف کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ صرف نقل ہی نہیں کرتے تھے بلکہ جن جن سورتوں کی متعلقہ آیات اس وقت نازل ہو چکی ہوتیں، ان کو رسول اللہؐ کے حکم سے ان سورتوں کے ان مقامات پر ترتیب دے کر لکھا کرتے تھے جہاں پر انہیں ہونا چاہیئے تھا۔

بیہقیؒ نے تالیف کا یہی مطلب بیان کیا ہے یعنی [۴۲]

"المراد تالیف ما نزل من الایات المفردة فی سورها وجمعها"

مولانا مناظر احسن گیلانی کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ کتابت قرآن کا کام خاصے اہتمام سے کرتے تھے۔

اس زمانے میں لکھنے کے لئے جو چیزیں استعمال ہوتی تھیں ان میں رقاع (چرمی قطعات)، لخاف (پتھر کی سفید پتلی پتلی تختیاں) کتف (اونٹ کے مونڈھے کی گول ہڈیاں)، عسیب (کھجور کی جڑ کا وہ حصہ جو کشادہ ہوتا اور جس میں کانٹے اور پتے نہیں ہوتے تھے) وغیرہ شامل تھے۔ بعض حضرات نے ان چیزوں کی اصل کو واضح نہیں کیا جس کی وجہ سے عام آدمی کو حیرت ہوتی ہے کہ ہڈیوں یا پتھر کی سلیٹوں پر کیسے لکھا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں،

بظاہر ایک عام آدمی اس بات پر حیرت کا اظہار کرے گا کہ کیا پتھر یا کھجور کے پتے پر بھی لکھا جاسکتا ہے؟ ادیم (جسے لکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا) دراصل باریک کھال سے دباغت کے بعد ایک کپڑا نما چیز بن جاتی تھی اور عربوں کے ہاں یہ چیز عام بن جاتی تھی کیونکہ وہ گوشت کھایا کرتے تھے حتیٰ کہ اس سے خیمے بھی بنایا کرتے تھے اسی طرح لخاف ہر معمولی پتھر نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اہل لغت نے بالاتفاق لکھا ہے کہ خصوصی طور پر سفید پتھر کو کاٹ کاٹ کر چوڑی تختیاں بنائی جاتی تھیں۔ ایسے ہی اونٹ کے مونڈھے کے نزدیک کی گول ہڈی طشتری کی مانند ہوتی ہے اس کو خاص طریقے سے تراش لیا جاتا تھا۔ عسیب، کھجور کی شاخ کو نہیں بلکہ پام قسم کے تمام درختوں کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے وہ دراصل عسیب کہلاتا ہے۔ (اسی طرح) اقتاب قتب کی جمع ہے۔ اونٹ کے کجاوہ میں استعمال ہونے والی چھوٹی چھوٹی پھٹیاں، اقتاب کہلاتی تھیں۔ یہ بڑی تختیوں کو کاٹ کر بنائی جاتی تھیں اور چونکہ مسلسل استعمال کے بعد وہ ملائم ہو جاتی تھیں۔ اس لئے لکھنے کے کام میں آسانی سے لائی جاسکتی تھیں۔ ممکن ہے کسی شخص کا خیال ہو کہ اس قسم کی چیزوں پر لکھا جانا دیرپا نہیں ہوتا۔ اس ابہام کا حل بھی مولانا مناظر احسن گیلانی نے پیش کر دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"کچھ عرصہ قبل ہندوستان میں تاڑ کے پتوں پر لکھنے کا عام رواج تھا اور عثمانیہ یونیورسٹی میں مسلم کتب خانہ کے اندر تاڑ کے پتوں پر لکھی ہوئی کتابیں آج بھی موجود ہیں اور کاغذ سے زیادہ بہتر طور پر محفوظ ہیں اور انہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے" ۲۳

عہدِ نبوی میں کتابتِ قرآنِ حکیم کا محققانہ جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس وقت بہت سے نسخے مکمل طور پر معرض تحریر میں آچکے ہیں۔

محققین نے ثابت کیا ہے کہ عہد نبوی میں کم از کم تیرہ نسخے تو مکمل طور پر موجود تھے۔ جن کی

تحقیقات کے مطابق بخاری شریف، مسلم شریف، تہذیب التہذیب، الاستیعاب کے حوالے سے مندرجہ ذیل حضرات نے عہدِ نبوی میں قرآن مجید جمع کیا ہوا تھا۔

(۱) حضرت معاذ ابن جبلؓ (۲) حضرت ابی ابن کعبؓ (۳) حضرت زید ابن ثابتؓ (۴) حضرت ابو زیدؓ ۴۴

ان چاروں کا ذکر "بخاری شریف" جلد سوم باب جمع القرآن اور مسلم شریف جلد سوم باب جمع القرآن میں موجود ہے۔

(۵) حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ ۴۵

ان کے قرآن جمع کرنے کا تذکرہ "تہذیب التہذیب" جلد ہفتم صفحہ ۲۴۳ میں موجود ہے۔

(۶) حضرت سعد بن عبیدؓ ۴۶

ان کے جمع قرآن کا ذکر "الاستیعاب" جلد دوم صفحہ ۵۶۵ میں کیا گیا ہے۔

(۷) حضرت عثمانؓ (۸) حضرت تمیم داریؓ (۹) حضرت عبادہ بن صامتؓ (۱۰) حضرت ابو ایوب انصاریؓ (۱۱) حضرت علیؓ (۱۲) حضرت ابن مسعودؓ (۱۳) حضرت ابو الدرداءؓ ۴۷

ان کا ذکر بھی "الاستیعاب" جلد دوم صفحہ ۴۸۵ پر موجود ہے۔

ان تیرہ نسخوں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے نسخوں کا ذکر نہیں ہے۔ دونوں حضرات وحی کے کاتب تھے اور دیگر بہت سی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے قرآن مجید حفظ بھی کیا تھا اور لکھا بھی تھا۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے نسخے موجود تھے لیکن یہ وہ نسخے ہیں جو مکمل طور پر لکھے گئے تھے اور جن کی موجودگی پایہ تحقیق کو پہنچتی ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لئے صرف انہی نسخوں کی موجودگی تسلیم کرلی جائے تو بھی مستشرقین کا یہ دعویٰ محض کم علمی پر مبنی ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآنِ حکیم عہد نبوی میں لکھا نہیں گیا تھا۔ ان لوگوں میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی ہیں جو کاتبِ وحی ہونے کے ساتھ ساتھ حافظِ قرآن بھی تھے۔ حضورؐ نے آخری ایام میں ان سے قرآن مجید کا دو مرتبہ دور فرمایا تھا۔ حضورؐ سے دور کرنا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ قرآنِ حکیم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو زید بن ثابتؓ کو یاد نہ ہو۔

علامہ بدرالدین عینی بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"ان الذین جمعوا القرآن علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یحصیھم عدد"[۴۸]

ترجمہ: عہدِ نبوی میں جن لوگوں نے قرآن مجید جمع کر لیا تھا ان کا کوئی شمار و حساب ہی نہیں ہے۔

الفہرست کے مؤلف ابن الندیم نے مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی بیان کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے حضورؐ کی موجودگی میں قرآن حکیم مکمل طور پر لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔

(۱) علی بن ابی طالبؓ (۲) سعد بن عبیدؓ (۳) ابوالدرداءؓ (۴) عمیر بن زیدؓ (۵) معاذ ابن جبلؓ (۶) ابو زیدؓ (۷) ابی ابن کعبؓ (۸) عبید بن معاویہؓ [۴۹]

علامہ سیوطی نے بھی ان لوگوں کی فہرست پیش کی ہے جنہوں نے عہد نبوی میں مکمل قرآن لکھ رکھا تھا۔[۵۰]

کیا حفاظت قرآن مجید کا پورا دارومدار حفظ پر ہی تھا؟

مستشرقین نے اس سلسلے میں غلط فہمی پیدا کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ صحتِ قرآن مجید کے بارے میں شکوک پیدا کئے جائیں۔ دراصل حفاظتِ قرآن مجید میں نہ تو صرف کتابت پر اکتفا کیا گیا اور نہ ہی محض حفظ پر۔ بلکہ یہ دونوں وسائل اختیار کئے گئے۔ مستشرقین اپنا نقطہ نگاہ کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ گویا کہ چند اشخاص حافظ تھے۔ باقی کسی کو قرآن یاد نہ تھا اور حافظے کی بات پر اعتماد ہی کیا کیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔ لاتعداد حفاظ کرام بھی موجود تھے۔ ان کا قرآن مجید کے ساتھ لگاؤ بھی بے مثال تھا۔ مستشرقین تو عہدِ نبوی کی بات کرتے ہیں آج کے گئے گزرے دور میں بھی مسلمانوں کا قرآن مجید کے ساتھ لگاؤ اور اسے حفظ کرنے کا شوق اپنی نظیر آپ ہے۔ مسلمان اپنے بچوں کو دنیا جہاں سے بے نیاز کر کے حفظِ قرآن کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید ہر رمضان المبارک میں رات کو سنایا جاتا ہے۔ کسی بڑے سے بڑے حافظ کی کیا مجال کہ کوئی غلطی کر جائے اور اس کا سامع اس کو ٹوک نہ دے۔ مسلمانوں کی کوئی بستی نہیں جس میں قرآن کے حفاظ موجود نہ ہوں۔ جبکہ عیسائیوں یا یہودیوں کی کتابوں کا کوئی ایک حافظ بھی کبھی موجود نہیں رہا۔

مستشرقین کا یہ تاثر ہرگز درست نہیں کہ محض چند لوگ حفاظِ قرآن موجود تھے اور ان میں سے

بھی کسی کو قرآن یاد ہو گا کسی نے بھلا دیا ہو گا۔ حالانکہ عہدِ نبوی میں حفاظ قرآن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ ایک دو کی بات نہ تھی بلکہ جماعت صحابہ کی کثیر تعداد حافظ تھی۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

۱۔ احد کے شہداء کی تدفین کے وقت اس شخص کو قبلہ کی طرف پہلے دفن کیا جاتا جس کو زیادہ قرآن یاد ہوتا تھا۔ اس روایت میں " اَیُّھُمْ اَکْثَرُ قُرآناً " کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ سب کو علم تھا کہ کس کو کس قدر قرآن یاد ہے؟ اور سب کو قرآن یاد تھا۔ ورنہ حضورؐ یہ فرماتے کہ ان میں سے کس کو قرآن یاد ہے اور کس کو نہیں؟[۵۱]

۲۔ بیئر معونہ کے واقعہ کی یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے قرآن مجید کے ستر حفاظ بھیجے گئے۔ کیا یہ بات اس بات کی دلیل نہیں کہ اس پوری سوسائٹی میں حفاظ کی تعداد کس قدر ہو گی اور مختلف علاقوں میں جو حفاظ بھیجے جاتے تھے ان کی کل تعداد کس قدر ہو گی۔

سن ۱۱ ہجری میں مسیلمہ کے مقابلے میں مہاجرین وانصار کے کل تین ۳۰۰ سو افراد شہید ہوئے جن میں ستر صحابہ حافظِ قرآنِ مجید تھے۔[۵۲]

علامہ ذہبی نے بھی قراءِ صحابہؓ کی ایک بڑی فہرست پیش کی ہے۔[۵۳]

کنز العمال میں روایت ہے حضرت عمرؓ نے اپنے سرداروں کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے اپنے علاقے سے حفاظ قرآن کی فہرستیں مرکز کو ارسال کریں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے اکیلے اپنے ایک علاقے سے تین سو حفاظ کی فہرست بھیجی تھی۔[۵۴]

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ حفظِ قرآن محض ایک دو صحابہؓ کے حفظ کا مسئلہ نہ تھا بلکہ پوری قوم کی قوم حافظ تھی۔ اتنی کثیر تعداد میں حفاظ کی موجودگی میں کسی گڑبڑ کا امکان نہیں ہو سکتا تھا۔

اس سلسلے میں ہم ولیم میور کا ایک اقتباس نقل کریں گے۔

" مگر ہم اہلِ عرب کے اس مافوق الفطرت قوتِ حافظہ کے باوجود تسلیم نہیں کر سکتے کہ اسی ایک طاقت کے بل بوتے پر پورا قرآنِ مجید محفوظ رہ گیا۔ بلکہ ہمارے سامنے ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر

نے اپنے پیغمبر کی زندگی میں ہی قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتیں لکھ لی تھیں جس کے مجموعہ میں پورا قرآن سمٹ آیا۔ ۵۵

عہدِ نبوی میں قرآن مجید کی عدم کتابت ثابت کرتے ہوئے مستشرقین کہتے ہیں کہ تاریخ قرآن کے بیان والی روایات میں تضادات ہیں۔ لہٰذا یہ ناقابل اعتبار ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ

" قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یجمع القرآن فی شیئ " ۵۶

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے تشریف لے گئے۔ درآنحالیکہ قرآنِ حکیم کسی جگہ جمع نہیں کیا گیا تھا)

یہ روایت ابن شہاب زہری نے عبید بن سباق سے اور انہوں نے زید بن ثابتؓ سے بیان کی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری روایت یہ بھی ابن شہاب زہری سے مروی ہے جو طبری نے اپنے شیخ کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں :۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور قرآن جمع نہیں ہوا تھا۔ جو کچھ تھا وہ کھجور کی چھال اور تختیوں پر تھا " ۵۷

ان ہر دو روایات کو سامنے رکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ،

(الف) اول الذکر روایت میں اجمال ہے اور راوی نے جمع کرنے سے مراد بین الدفتین جمع کرنا مراد لیا ہے اور اس میں " فی شیئ " کے الفاظ اس کا اپنا تصرّف ہے۔

(ب) ممکن ہے راوی سے روایت کا دوسرا حصہ جو دراصل معاملے کو واضح کرتا ہے، راوی نے خود ہی چھوڑ دیا ہو یا اس سے سہواً چھوٹ گیا ہو۔

اس توضیح کے ساتھ اگر علامہ حارث محاسبی کا یہ بیان بھی رکھ لیں تو مسئلہ واضح ہو جاتا ہے آپ لکھتے ہیں۔

کتابۃ القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف واللخاف ... ۵۸

قرآن کی کتابت کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ خود حضورِ اکرمؐ اس کے لکھنے کا حکم دیتے

تھے لیکن وہ متفرق ٹکڑوں پر تھا۔

(ج) اول الذکر روایت کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ زیدؓ بن ثابتؓ کی وفات (عبید بن سباق نے ان سے ہی روایت کی ہے) ۴۵ھ یا ۴۸ھ میں ہوئی[۵۷] اور امام بخاری کی تحقیق کے مطابق عبید بن سباق کی پیدائش ۵۰ھ میں ہوئی ہے[۵۸] گویا کہ زید بن ثابتؓ کی وفات سے پانچ یا دو برس بعد۔ زیدؓ بن ثابتؓ کی وفات کے بارے میں ایک اور ضعیف قول یہ ہے کہ ان کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی۔ اس ضعیف قول کی رو سے بھی یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ زیدؓ بن ثابتؓ نے ایک روایت (اور وہ بھی جمع قرآن جیسے اہم موضوع سے متعلق) محض پانچ برس کے بچے کو بتائی ہو اور کسی قابل اعتبار شخص کو روایت بیان کرنے کی زحمت گوارا ہی نہ کی ہو۔

اس طرح ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کر سکتے جبکہ یہ ایک اور قابل اعتبار روایت سے متصادم ہے۔

اصل صورت یہ ہے کہ عہد نبوی میں کتابت قرآن کا کام بڑے اہتمام سے جاری تھا۔ اور حضورؐ اس مسئلے کو باقی تمام مسائل پر فوقیت دیتے تھے۔ لیکن اس کتابت کی کیفیت یہ تھی کہ اسے "بین الدفتین جمع نہیں کیا گیا تھا کیونکہ قرآن ابھی نازل ہو ہی رہا تھا۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کب کون سی آیت نازل ہو اور اسے کس جگہ پر لکھا جانا ہو۔ اس لئے قرآن حکیم کا ایک جگہ ایک جلد میں جمع کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ جب قرآن حکیم کے نزول کی تکمیل ہو گئی تو اس کے بعد حضورؐ کو زیادہ عرصہ زندہ رہنا نصیب نہ ہو سکا۔ اس لئے اس فریضے کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پورا کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عہد نبوی میں قرآن لکھا ہوا موجود نہیں تھا۔

فہم السنن کے مؤلف علامہ حارث محاسبی لکھتے ہیں۔

"عہد صدیقی میں قرآن حکیم کا لکھا جانا کوئی نئی بات نہیں کیونکہ حضورؐ نے اس کے لکھنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ البتہ وہ اونٹ کے شانوں کی ہڈیوں اور کھجور کے درخت کی چھالوں پر لکھا ہوا تھا۔"[۶۰]

عہد صدیقی ہی کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔

وکان القرآن فیہا منتشر فجمعہا جامع وربطہا بخیط ۶۱"

(عہدِ نبوی میں قرآن حکیم منتشر حالت میں موجود تھا۔ پھر ایک جامع نے ایک دھاگے کے ساتھ اسے یکجا کر دیا)

اس کے علاوہ اور بھی بیسیوں ایسے دلائل وشواہد موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ بات سمجھنے میں قطعاً کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ قرآن حکیم عہد نبوی میں اس طرح محفوظ کر لیا گیا تھا کہ اس میں کسی قسم کی تحریف کا امکان باقی نہیں رہ سکتا۔

بخاری شریف میں روایات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جبریل علیہ السلام ہر سال حضورؐ کے ساتھ قرآن حکیم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ لیکن آخری بار انہوں نے ایک کی بجائے دو دفعہ دور کیا۔ روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

"عن ابی ہریرۃ قال کان یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن کل عام مرۃ فعرض علیہ مرتین فی العام الذی قبض ....." ۶۲

اس کے ساتھ ہی اگر ہم ان روایات کو بھی ملالیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابہؓ حضورؐ کے سامنے بیٹھے قرآن مجید لکھا کرتے تھے اور اس وقت تک کوئی آیت عوام تک نہیں پہنچتی تھی جب تک حضور لکھنے والے سے سُن نہ لیتے تھے کہ کیا اس نے صحیح بھی لکھا ہے یا نہیں ؟ ۶۳

تو کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

حضورؐ اکثر وبیشتر صحابہ کرامؓ سے قرآن مجید سُنا بھی کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے قرآن مجید تلاوت کرنے کا حکم دیا...... مَیں نے آپ کو سورۃ النساء سنائی ۶۴

بہت سے ایسے صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی بھی ملتے ہیں جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن حکیم زبانی یاد کر لیا تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بائیس حفاظ صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حضورؐ کی موجودگی میں قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ ۶۵

اسی طرح حافظ ذہبی نے ان حضرات کے اسمائے گرامی بیان کئے ہیں جنہوں نے قرآن مجید حضورؐ کو سنایا بھی تھا اور ان کی اسانید ہم تک پہنچتی بھی ہیں۔ حافظ ذہبی کے الفاظ یہ ہیں۔

فاما من حفظه کله منهم و عرض علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم

فجماعة من نجباء محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم[۶۶]

ترجمہ: اکابر صحابہؓ کی ایک جماعت نے حضورؐ کی موجودگی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور حضورؐ کو سنایا تھا)

اول الذکر روایت کہ" حضورؐ کی وفات کے وقت قرآن لکھا نہیں گیا تھا، کی تشریح و توجیہہ یوں بھی کی گئی ہے کہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایت" الاتقان" میں موجود ہے لیکن اس کی حقیقت یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ کا طریق کار یہ ہے کہ وہ کسی موضوع پر پائی جانے والی تمام روایات بیان کر دیتے ہیں ساتھ ساتھ تحقیقی نقطہ نگاہ بھی پیش کرتے جاتے ہیں۔ ان تحقیقات کی روشنی میں ہر کوئی حقیقت حال سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ ان تمام پیش شدہ روایات میں سے اصل اور حقیقی روایت کون سی ہے۔

اسی الاتقان میں اسی باب کے اندر بخاری اور مسلم شریف کے معیار کی ایک روایت نقل کی گئی ہے یہ روایت مستدرک حاکم میں موجود ہے اور امام حاکم اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین[۶۷]

اس روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

"کنا عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نؤلف القرآن من الرقاع"[۶۸]

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر قرآن مجید کے ٹکڑے جوڑا کرتے تھے۔)

ظاہر ہے کہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق روایت زیادہ معتبر اور قابل اعتبار ہوگئی اور اس کے مقابلے میں وہ روایت جو فقط علامہ سیوطیؒ نے بیان کی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

متعارض روایات میں سے ایک مزید روایت یہ بھی ہے کہ

"الاتقان" میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صرف چار لوگوں نے قرآن مجید جمع کیا تھا"[۶۹] محققین نے اس روایت کے پس منظر پر خوب تحقیقات کی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہی ہے کہ دراصل اوس اور خزرج کے لوگوں کے درمیان ایک مرتبہ اپنے اپنے کارناموں اور اسلام کے لئے خدمات پر بحث و تمحیص کی نوبت آگئی۔ دونوں گروہوں نے اپنے اپنے کارنامے گنوائے۔ خزرج والوں

نے کہا کہ ہماری یہ خدمت ہے کہ ہم میں سے چار لوگوں نے قرآن مجید جمع کیا۔ گویا چار کا عدد یہ ظاہر نہیں کرتا کہ کل چار صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید جمع کیا تھا بلکہ جن لوگوں نے قرآن مجید حضورؐ کی موجودگی میں جمع کیا تھا۔ ان میں سے چار کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن روایات میں ان چار حضرات کے اسمائے گرامی کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں چوتھے صحابیؓ کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ علامہ سیوطیؒ کی بیان کردہ ایک روایت میں ان حضرات کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابی ابن کعبؓ، معاذ ابن جبلؓ، زید ابن ثابتؓ اور ابو زیدؓ۔ علامہ سیوطیؒ کی بیان کردہ ایک اور روایت میں حضرت ابی ابن کعبؓ کی جگہ حضرت ابوالدرداءؓ کا نام مذکور ہے۔ پھر آگے چل کر علامہ سیوطیؒ خود لکھتے ہیں۔" اس روایت میں قتادہؓ کی روایت سے مخالفت پائی جاتی ہے ایک اس اعتبار سے کہ اس میں صیغہ حصر کے ساتھ چار ہی حضرات کی تصریح کر دی گئی اور دوسری وجہ ابوالدرداءؓ کا نام ابی ابن کعبؓ کی جگہ آیا ہے اور اماموں کی ایک جماعت نے قرآن مجید کے جمع کرنے کا انحصار چار ہی اشخاص میں محدود کر دینا صحیح نہیں مانا۔"

ان روایات کے علاوہ علامہ سیوطیؒ نے ہی الاتقان میں ایسے حضرات کے اسمائے گرامی کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن مجید جمع کر لیا تھا۔ ان اسمائے گرامی کا اگر احصاء و شمار کیا جائے تو یہ فہرست بڑی وسعت اختیار کر جاتی ہے[1]۔ علامہ سیوطیؒ نے علامہ مازریؒ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ جن میں وضاحت کی گئی ہے کہ اس قول کی یہ تاویل و توجیہ درست نہیں کہ صرف انہی چار حضرات نے قرآن مجید جمع کیا تھا[2]۔ علامہ سیوطیؒ، قرطبیؒ کے حوالے سے بھی لکھتے ہیں کہ بیئر معونہ اور یمامہ کے مقام پر حفاظ کرام کی کثیر تعداد شہید ہوئی۔ ان بیانات کی روشنی میں وہ لکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ (چار کے عدد والی روایت کے راوی) نے جن چار حضرات کا ذکر کیا ہے ان کے ساتھ انہیں خاص لگاؤ ہوگا یا یہ بات ہے کہ ان کے ذہن میں صرف اسی قدر لوگ آئے باقی نہ آسکے[3]۔"

علامہ باقلانی کا بیان بھی یہی ہے کہ چار میں حصر والی روایت اپنے الفاظ میں قابل قبول اور حقیقت کے مطابق نہیں بلکہ اس میں خاص پہلو مذکور ہیں۔[4]"

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ دراصل اوس اور خزرج کی بحث و تمحیص تھی اور اس میں خزرج کے ان چار حضرات کا ذکر ہے جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع فرمایا تھا[5]۔"

کتابت قرآن مجید کے لئے صرف حضرت زید ابن ثابت ہی متعین نہ تھے بلکہ اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ اس کام پر مامور تھے۔

حافظ ابن قیم نے انیس کاتبوں کے نام بیان کئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بہت سے کاتب صحابہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

خلفائے اربعہؓ۔ حضرت زید ابن ثابتؓ۔ حضرت ابی ابن کعبؓ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔ حضرت خالد ابن ولیدؓ۔ حضرت معاویہؓ۔ حضرت ثابت بن قیس۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ ابن ابیؓ۔ حضرت عامر بن فہیرہؓ۔ حضرت عبداللہ بن الحضرمیؓ۔ محمد بن مسلمہؓ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ حضرت علاد ابن الحضرمیؓ۔ ؎

یہ ان لوگوں کے اسمائے گرامی ہیں جنہیں ـــ وقتاً فوقتاً وحی لکھوانے کے لئے حضورؐ خود طلب فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی آپؐ کی مجلس میں صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد کسب علم کے لئے موجود رہتی تھی۔ آپؐ پر کوئی آیت نازل ہوتی اور آپ اپنے ایک کاتب کو یہ نازل شدہ آیت یا آیات لکھواتے تو حاضرین مجلس بھی اپنے اپنے مصاحف میں یہ آیات شامل کر لیتے۔ طبقات ابن سعد۔ تاریخ طبری اور صحاح ستہ میں سے اگر ایسے لوگوں کے نام جمع کئے جائیں تو ان کی تعداد درجنوں تک پہنچ جاتی ہے۔" محدث ابن سیدالناس (۷۳۴ھ) نے بھی کتابِ وحی کی تعداد بیالیس بیان کی ہے۔ مختلف لوگوں نے ان کی تعداد مختلف بتائی ہے۔ لیکن ایک چیز اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کے کاتبوں کی تعداد خاصی تھی۔ حافظ عراقی نے حضورؐ کی منظوم سیرت طیبہ کا آغاز جس شعر سے کیا ہے اس کا پہلا مصرعہ یوں ہے۔

وکتابہ اثنان واربعون

تاریخ تدوین قرآن مجید کے حوالے سے ہم نے اس وقت تک جو حقائق پیش کئے ہیں ان سے مندرجہ ذیل پہلو بالکل واضح ہیں۔

۱۔ نزولِ وحی اور کتابتِ وحی کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتابتِ وحی کے معاملے میں بڑے محتاط تھے۔

۲۔ کاتبانِ وحی کی تعداد ہر وقت آپ کی خدمت میں موجود رہتی تھی اور قلم دوات اور دیگر

ضروریات سے لیس ہوتی تھی۔

(۳) حضور لکھوانے کے بعد اس کی پڑتال بھی فرماتے تھے۔

(۴) بہت سے مکمل نسخے اس وقت تک موجود ہو چکے تھے۔

(۵) حفظِ قرآن مجید میں صحابہؓ کا انہماک بے نظیر تھا اور لاتعداد صحابہؓ نے حفظ بھی کر لیا تھا۔

(۶) اسی طرح حفاظت قرآن مجید میں حفظ اور کتابت دونوں یکجا تھے۔

ان تمام حقائق کی روشنی میں محض گمان اور ظن کی بنیاد پر کوئی یہ رائے قائم کرے کہ "ہو سکتا ہے کہ کچھ قرآن مجید لکھا جانے سے رہ گیا ہو" محض گمان ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ گمان کا مقابلہ ہماری پیش کردہ روایات کے ساتھ کرنا انصاف اور حقائق کا منہ چڑانا ہی ہوگا۔

عہدِ نبوی میں عدمِ کتابت قرآن مجید ثابت کرنے کے لئے مستشرقین نے جو جزئی اعتراضات کئے ہیں آئندہ سطور میں ہم ان کا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔

مارگولیتھ (MARGOLIOUTH, D.S) نے عہد نبوی میں قرآن مجید کے غیر مکتوب ہونے پر ایک دلیل یہ دی ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کا مضمون اور الفاظ آپس میں ملتے جلتے ہیں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد نہیں رہتا تھا کہ انہوں نے اس سے قبل قرآن مجید میں کیا شامل کیا تھا۔ ان آیات میں سے ایک مثال سورۃ النساء کی آیت ۱۴۰۔ اور سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۶۸ ہے جن کا مضمون اور الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ ۶۹

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۴۰۔

وقد نزل علیکم فی الکتب ان اذا سمعتم ایت اللہ یکفر بہا ویستہزأبہا فلا تقعدوا معہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلہم ....

ترجمہ: اور خدا نے تم مومنوں پر اپنی کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم کہیں سنو کہ خدا کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں نہ کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔

دوسری آیت سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۶۸۔

" واذا رایت الذین یخوضون فی اٰیٰتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین "

ترجمہ : اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ باتیں کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر یہ بات شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔

پہلی آیت میں (بقول مارگولیتھ) دوسری آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن دونوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ مارگولیتھ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ

" قرآن کی آیات لکھی ہوئی نہ تھیں۔ اگر قرآن لکھا ہوا ہوتا تو پہلی آیت میں بعینہ وہی الفاظ ذکر کئے جاتے جو دوسری میں ہیں۔ الفاظ کے اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت کے نزول کے وقت دوسری آیت کے الفاظ محفوظ نہیں رہے تھے۔

اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بالکل واضح بات ہے کہ اگر سورۃ النساء کے نزول کے وقت سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت کے الفاظ محفوظ نہ رہے تھے تو پھر بعد میں وہ قرآن میں کس طرح شامل ہوئے۔ اگر سورۃ الانعام کے اصل الفاظ محفوظ نہ ہوتے تو اصول کا تقاضا تو یہ تھا کہ بعد میں لکھنے والے سورۃ الانعام میں بھی بعینہ وہ الفاظ لکھتے جو النساء میں ہیں۔ ان دونوں آیات کا لفظی اختلاف تو درحقیقت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں آیات کے الفاظ ہمیشہ سے پوری طرح محفوظ اور غیر متبدل ہیں۔ ان میں کسی قسم کے قیاس وگمان کو کوئی دخل نہیں رہا۔ اگر قرآن کی کتابت قیاس اور اندازے سے ہوئی ہوتی تو ان آیات کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر زبان کے محاورات میں جب کبھی سابقہ گفتگو کا حوالہ دیا جاتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ سابقہ گفتگو کے الفاظ بعینہ دہرائے جاتے ہیں جسے انگریزی میں —— (Direct Notation) کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات وہی الفاظ دہرائے نہیں جاتے ہیں بلکہ سلیقہ گفتگو کے بنیادی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بیان کر دیا جاتا ہے جسے (Indirect Notation) کہا جاتا ہے۔ ان دونوں میں سے پہلی صورت بہت کم استعمال ہوتی ہے۔ یعنی

ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کسی سابقہ گفتگو کو بعینہ نقل کیا جائے۔ اس کی بجائے دوسری صورت ہی اختیار کی جاتی ہے۔ سورۃ النساء میں پہلی دوسری صورت اختیار کی گئی ہے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کی ہر سورت اپنے جملوں کی ساخت کے اعتبار سے جداگانہ اسلوب رکھتی ہے۔ لہٰذا اگر ایک سورت کے جملوں کے درمیان کسی دوسری سورت کا جملہ بعینہ جوڑ دیا جائے تو آیات کے تسلسل (Sequence) میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اور اس سے فقروں کی روانی باقی نہیں رہتی جس کی اثر انگیزی سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ لہٰذا اگر ادبی ذوق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سورۃ النساء کی مذکورہ آیت میں سورۃ الانعام کے الفاظ بعینہ نقل کر دیئے جائیں تو عبارت کا زور اور تسلسل ٹوٹ جائیگا۔

اس کے علاوہ تفسیر ابن کثیر میں بیان کیا گیا ہے کہ سورۃ الانعام جس کی مذکورہ آیت کے بارے میں مارگولیتھ کا دعویٰ ہے کہ وہ لکھی ہوئی نہ تھی، پوری کی پوری ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی اور اس میں یہ آیت بھی موجود ہے۔

"وھذا کتاب انزلنه مبارک مصدق الذی بین یدیه ولتنذر ام القری ومن حولھا"۔ [۸۰]

(اور یہ کتاب (ویسی ہی ہے) ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے تاکہ آپ ڈرائیں ام القریٰ اور اس کے اردگرد والوں کو)

اس آیت کریمہ میں قرآن کو کتاب کہا گیا ہے۔ اگر سورۃ الانعام کے نزول کے وقت قرآن کریم کو لکھنے کا معمول نہ تھا.... تو اسے کتاب کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ لہٰذا مارگولیتھ کا یہ اعتراض کسی بھی طرح درست ثابت نہیں ہوتا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹنیکا (Encyclopedia Britannica -) کے مقالہ قرآن کے مقالہ نگار نے قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے کچھ تاریخی شخصیات اور واقعات پیش کئے ہیں کہ قرآن مجید نے یہ واقعات غلط طور پر پیش کئے ہیں۔ مستشرقین کہتے ہیں کہ محمدؐ نے آدمی متعین کر رکھے تھے جو اِدھر اُدھر پھر کر واقعات اکٹھے کرتے۔ چونکہ محمد زبانی ہی یہ سب کچھ سنتے، اس لئے انہیں ان کے بیان کرنے یا سمجھنے میں غلطی لگ گئی اور آپ نے ان واقعات و شخصیات کو غلط طور پر حقیقت کے برعکس پیش کیا۔ [۸۱]

ان واقعات و شخصیات میں ایک حضرت مریم علیہا السلام ہیں اور قرآن نے مغالطے کی بنیاد پر مریم کو غلط طور پر متعین کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کو بھی بنتِ عمران قرار دیا ہے۔[۸۲]

تنقیدی جائزہ اگر مقالہ نگار کسی یقینی دلیل کے ساتھ یہ بھی ثابت کر دیتا کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران نہ تھا، تب تو یہ اعتراض کسی طور پر قابلِ اعتبار ہو سکتا تھا لیکن حالت یہ ہے کہ اگر ہم انہی سے پوچھیں کہ پھر حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران کے سوا اور کیا تھا؟ تو اس کے جواب میں ان کے پاس خاموشی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے والد کا نام بائبل میں بھی مذکور نہیں۔ اسی انسائیکلوپیڈیا کے اندر مریم کے مقالہ میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ:

حضرت مریم کے والدین کے بارے میں پہلی صدی عیسوی کی کسی تاریخی دستاویز میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔[۸۳]

- ایک طرف یہ لاعلمی اور دوسری جانب یہ دعویٰ کہ قرآن حکیم میں حضرت مریمؑ کے والد کا نام مغالطے پر مبنی ہے۔
- کیا یہ بات درست ہے کہ اگر ایک مرتبہ کسی کا نام عمران رکھا جا چکا ہو تو اس کے بعد دنیا میں کسی اور شخص کا نام عمران نہیں رکھا جا سکتا۔
- قرآن مجید نے تو بہت سے حقائق آشکارا کئے ہیں۔ بات صرف حضرت عمران تک محدود نہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش، ان کی تربیت، بچپن اور دیگر بہت سے حالات کے بارے میں خود وہ ماخذ بھی خاموش ہیں جنہیں عیسائی مستند سمجھتے ہیں۔ چاروں اناجیل میں بھی ان کا ذکر نہیں۔ قرآن مجید سب سے پہلے انہیں منظرِ عام پر لایا۔ ڈکشنری آف دی بائبل میں مذکور ہے۔

"شروع شروع میں عیسائی دنیا ان انکشافات پر اعتراض کرتی رہی مگر اب خود عیسائیت کی ایسی کتابیں دریافت ہو رہی ہیں جن میں قرآن کے بیان کردہ یہی حقائق بیان کئے گئے ہیں۔[۸۴]

لہٰذا جب عیسائی ماخذ میں حضرت مریم کے والد کے بارے میں کچھ بھی موجود نہیں ہے تو عیسائیوں کو کسی اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔

بائبل کی ایک اور ڈکشنری جو (John Mckenzie) نے مرتب کی ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ وہ تمام ابہامات بیان ہوئے ہیں جو مریم کی شخصیت کے تعین کے سلسلے میں اہلِ کتاب کی ہاں موجود ہیں۔ مصنف لکھتا ہے۔

"A by-product of this reticence is our almost total lake of genuine information concerning the life and person of Mary".

85

J.D. Douglas کی مرتب کردہ ڈکشنری آف بائبل میں اس سلسلے میں لکھا ہے۔

"There have been various attempts to resolve these differences". 86

یعنی اناجیل کے ان اختلافات کو حل کرنے کی بہت سی کوششیں ہو چکی ہیں۔ مریم علیہا السلام کے بارے میں اناجیل کے اختلافات کے بارے میں اسی طرح کے خیالات کا اظہار William Smith 87 کی ڈکشنری آف دی بائبل میں کیا گیا ہے۔ ۸۷ لہٰذا جب خود مستشرقین ہی اپنے ساتھی مستشرقین کے نقطہ نگاہ کی تردید کرتے اور حقائق کی وضاحت کرتے ہیں تو حقیقت کی وضاحت کے لئے ہمارے کہنے کی کچھ گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

قرآن مجید میں اغلاط کی نشاندھی کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹنیکا (Encyclopedia of Britannica) 88 کے مقالہ نگار نے فرعون کے وزیر ہامان کا بھی ذکر کیا ہے کہ قرآن میں یہ غلطی ہے کہ اس نام سے فرعون کے کسی وزیر کا نام بائبل کے عہد نامہ قدیم میں نہیں ملتا۔ مقالہ نگار نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دراصل ہامان، شاہ اسویرس کا وزیر تھا جس کا ذکر بائبل میں ملتا ہے۔ مقالہ نگار کہتا ہے کہ چونکہ محمدؐ نے یہ واقعات زبانی سیکھے تھے لہٰذا مغالطے سے یہ نام فرعون کے وزیر کی طرف منسوب کر دیا۔ ۸۸

مقالہ نگار کے اس نقطہ نگاہ کا تنقیدی جائزہ مولانا تقی عثمانی نے لیا ہے آپ لکھتے ہیں۔

"درحقیقت یہ بات بالکل بے سروپا ہے اور اسی مفروضے پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک نام کے

دو آدمی نہیں ہوسکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسویرس کے جس نام نہاد وزیر کا ذکر مقالہ نگار نے کیا ہے۔ اس کا قصہ صرف بائبل کی ایک مشتبہ کتاب (Apocryphal Book) آستر میں مذکور ہے۔ اس کتاب کو پروٹیسٹنٹ فرقہ معتبر تسلیم نہیں کرتا چنانچہ مروجہ پروٹیسٹنٹ (Protestant) اناجیل میں یہ کتاب موجود نہیں ہے۔ البتہ کیتھولک فرقہ اسے مستند سمجھتا ہے۔ اس کتاب میں جس ہامان یا آمان یا ایمان کا ذکر کیا گیا ہے وہ شاہ سوبرس کا وزیر نہیں بلکہ صدر دربار تھا (آستر ۳:۱)

اس کا جو حصہ اس کتاب میں مذکور ہے اسے ہامان کے قرآنی واقعے سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں ہے۔ قرآن نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کے لئے ایک بلند محل تیار کروائے تاکہ اس پر چڑھ کر وہ موسیٰ کے خدا کو جھانک سکے۔ قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہامان آخر وقت فرعون کا منہ چڑھا وزیر رہا اور بالآخر اسی کے ساتھ غرق ہوا۔ اس کے برعکس کتاب آستر میں ہامان کی طرف اس نوعیت کا کوئی قصہ منسوب نہیں کیا گیا۔

کتاب آستر کا ہامان، بخت نصر کے واقعے کے بعد کا ہے اور اس کا قصہ صرف اس قدر ہے کہ صرف ایک اتفاقی واقعہ کی بنا پر صرف مختصر عرصے کے لئے بادشاہ اسویرس کا تقرب اسے حاصل ہوا۔ لیکن اسی دوران وہ یہودیوں کے قتل عام کا حکم جاری کروا دیتا ہے جس کی بنا پر بادشاہ کی ملکہ آستر اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور بادشاہ اسے سولی پر لٹکا کر اس کی جگہ ایک یہودی مرد کو نامزد کرتا ہے۔[۸۹]

عہدِ نبوی میں قرآن مجید میں اختلافات ثابت کرنے کے لئے جو دلیل دی گئی ہے اس میں ہشام ابن حکیمؓ اور حضرت عمرؓ کے تلاوتِ قرآن میں اختلاف کرنے کا واقعہ ہے۔

مستشرقین نے عہدِ نبوی ہی میں قرآن مجید کے کسی متفقہ متن کے مفقود ہونے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس وقت جبکہ قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا اور حضورؐ کی ذات گرامی صحابہؓ میں موجود تھی، لوگ قرآنِ حکیم کی تلاوت میں اختلاف کرتے تھے۔ اس کی مثال انہوں نے بخاری اور مسلم شریف میں موجود اس واقعہ سے دی ہے کہ ایک موقع پر نماز میں حضرت عمرؓ نے حضرت ہشام بن حکیمؓ سے سورۃ الفرقان کی آیات سنیں اور نماز کے فوراً بعد حضرت عمرؓ انہیں پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لے گئے کیونکہ حکیم بن ہشامؓ، کسی اور انداز سے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضورؐ نے دونوں سے ان آیات کی تلاوت

سُنی اور دونوں کو کہہ دیا کہ تم درست پڑھتے ہو۔[9]

اس واقعہ سے مستشرقین مندرجہ ذیل نتائج حاصل کرتے ہیں۔

۱۔ عہدِ نبوی میں قرآن کا متفقہ متن موجود نہ تھا۔

۲۔ حضور نے محض سیاسی مصلحت کی خاطر ان دونوں حضرات کی قرأت کو درست قرار دے دیا۔

۳۔ یہ اختلاف، اختلاف قرأت یا سبعہ احرف سے الگ کوئی اور اختلاف تھا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ اور ہشام بن حکیمؓ دونوں ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

کیا عہدِ نبوی میں قرآن مجید کا متفقہ نسخہ موجود تھا یا نہیں اس پر گذشتہ صفحات میں تفصیلی بحث پیش کر دی گئی ہے۔ یہاں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے کہ حضرت عمرؓ کو سیاسی مقصد کی بنا پر درست قرار دے دیا گیا، اس قسم کی بات وہی شخص کر سکتا ہے جو منصبِ نبوت کی اہمیت سے واقف نہ ہو۔

● یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے نہ مکہ مکرمہ کا۔ ظاہر ہے مدینہ میں ایسی صورت حال نہیں تھی کہ کسی قسم کی چشم پوشی اختیار کی جاتی۔ اب مسلمان، اس دور سے بالکل مختلف تھے جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تھے۔

● کیا حضرت عمرؓ کی ہر بات کو حضورؐ نے تسلیم ہی کیا تھا یا آپؐ سے اختلاف بھی کیا جاتا تھا؟ اس کا جواب بدر کے قیدیوں کے انجام کے واقعہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے کہ حضورؐ ان کی رائے سے کبھی بھی اختلاف نہ کرتے۔

جہاں تک تیسرے اعتراض کا معاملہ ہے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل وضاحت اس مسئلے کی پیچیدگی کو حل کر دیتی ہے۔

۱۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ جب وحی کے ذریعے سات حروف میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی گئی تو یہ اجازت خاص خاص اقوام کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتی تھی۔ صرف حضورؐ ہی صحابہ کرامؓ کو قرآن کی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ صحابہؓ بھی ایک دوسرے کو قرآن پڑھاتے تھے۔ اس طرح ایک قبیلہ یا قوم کی خصوصیات دوسری قوم تک جا سکتی تھیں۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک قوم ایک لفظ کو ایک خاص انداز سے، جو دوسری قوم میں مروج

ہے، ادا نہ کرسکے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ دوسری قوم بھی پہلی قوم کے انداز کے مطابق ادا نہیں کرسکتی۔ مثلاً بنو ھذیل اور بنو ثقیف حتیٰ" کی بجائے عَتیٰ" پڑھتے تھے " حتیٰ" قریش کے محاورے میں تھا جبکہ دوسرے اسے عتیٰ کہتے تھے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ قریش" عتیٰ" نہیں بول سکتے تھے۔ اگرچہ وہ عام طور پر" حتیٰ" ہی بولتے تھے اور یہی اصل لفظ تھا لیکن اگر وہ چاہتے تو" عتیٰ" بھی پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن مسعودؓ" حتیٰ حین" کی بجائے" عتیٰ حین" پڑھتے تھے اور حضرت عمرؓ نے انہیں اس سے منع بھی فرمایا تھا کہ بنو ھذیل کے محاورے میں لوگوں کو قرآن نہ پڑھاؤ۔ اصل بات یہ تھی کہ قریش دوسری اقوام کے محاورات کے مطابق الفاظ ادا کرنے کے عادی ہوگئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں لوگ ہر سال حج اور میلوں وغیرہ پر جمع ہوا کرتے تھے اور قریش کو چونکہ ہر ایک قوم اور قبیلہ سے لین دین اور تجارت کا واسطہ پڑتا تھا اور علاوہ ازیں علمی مناظرے اور مقابلے بھی ہوتے رہتے تھے اس لئے قریش کو ہر ایک قوم کے محاورے سے واقفیت پیدا کرنی لازمی ہوگئی تھی۔

جس وقت ہشامؓ مسلمان ہوئے اس وقت مکہ فتح ہوچکا تھا اور اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہورہے تھے۔ غالباً حضرت ہشامؓ نے سورۃ الفرقان کی یہ آیات حضورؐ سے اس وقت سُنی ہوں گی جب وہ کسی اور قبیلہ کو قرآن پڑھا رہے ہوں گے اور اسی انداز سے انہوں نے یاد کرلیا۔ حضورؐ کی طرف سے بحکم خدا یہ اجازت تھی" فاقرءوا ماتیسر منہ" یعنی جس طرح آسان ہو اسی طرح پڑھ لو۔

حضرت ہشامؓ نے قریش کے محاورے کے مطابق اسے ادا کرنے کی کوشش نہ کی اور نہ ہی حضورؐ نے انہیں اس طرح پڑھنے سے منع فرمایا جس طرح وہ پڑھ رہے تھے۔ (یاد رہے کہ سبعہ احرف کی اجازت فتح مکہ کے بعد ملی تھی جبکہ اسلام دُور و نزدیک تیزی سے پھیل رہا تھا اور حضرت ہشام بن حکیمؓ فتح مکہ کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے) یہ تمام تفصیلات اس بات کو واضح کردیتی ہیں کہ ہشامؓ اور حضرت عمرؓ میں ایک ہی قبیلے سے متعلق ہونے کی باوجود قرأت قرآن میں کیوں اختلاف ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے قرآن حکیم اس وقت پڑھا تھا جب قرآن ایک ہی حرف پر تھا اور ہشامؓ نے ایسے وقت میں سیکھا تھا جب دوسری اقوام کے اسلام میں کثرت

سے داخل ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو ان کے اپنے محاورے میں قرآن پڑھانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات مکمل طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ اور ہشام بن حکیمؓ کے اس واقعے سے کسی طرح بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عہد نبوی میں قرآن مجید کے متن میں اختلافات پائے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں تفصیلی بحث مختلف محققین نے اختلاف قرأت اور "سبع آحرف" کے ابواب میں کی ہے۔

اور واضح کیا گیا ہے کہ جب قرآن حکیم سات حروف میں نازل ہوا تھا اور تمام "حروف" منزّل من اللہ ہونے کی وجہ سے جائز تھے، اس لئے ان میں سے کسی ایک حرف میں پڑھنا اصل وحی کے الفاظ کے مطابق ہی پڑھنا تھا۔

مصادر و مراجع

الحجر : ۹ (انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون)

حٰم السجدۃ : ۴۲ (لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ)

3. Burton, J. Collection of the Quran
Cambridge, 1977, 1977, P.232

4. Ibid. p.232

5. Margoliouth, D.S. MOHAMMADANISM, LONDON. 1928, P.40

6. Buhl, First Encyclopedia of Islam.
Lieden, 1978, p.40
(Article Koran), pp.1063-1076

7. Bell, Richard, Introduction to the Quran
Edinburgh, p.24

8. Margoliouth, D.S. Encyclopedia of Religion
Edinburgh Ethics,
Edinburgh, 1930, Vol.X,
p.538

9. Jefery, Arthur, Material for the Study
of the History of Text
of the Quran, Lieden,
pp.5,6

10. Material for the Study of the History of Text of the Quran, Lieden, p.3

11. Ibid., p.1.

۱۲۔ القیامۃ : ۱۷ ، ۱۸

۱۳۔ العنکبوت : ۴۴

۱۴۔ الطور : ۱-۳

۱۵۔ الواقعہ : ۷۷ - ۷۹

۱۶۔ البقرہ : ۲ ، آل عمران : ۲ ، یونس ، ہود : ۲ ، الرّعد : ابراہیم : ۲ ، الحجر : ۲ ، الکہف : ۱ ، الشعراء : القصص : ۲ ، لقمٰن : ۲

۱۷۔ الفرقان : ۳۲

۱۸۔ الزاوی ، طاہراحمد ، قاموس المحیط ، بیروت ، جلددوم ، صفحہ ۱ : ۳

۱۹۔ زمخشری ، محمود ، اساس البلاغہ ، بیروت ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۵۴

۲۰۔ الھیثمی ، نورالدین ، حافظ ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، بیروت ، ۱۹۶۷ء جلداوّل ، صفحہ ۱۵۲

۲۱۔ بحوالہ تقی عثمانی ، مولانا علوم القرآن ، کراچی ، ۱۹۶۳ء ، صفحہ ۱۰۸

۲۲۔ الھیثمی ، نورالدّین ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، جلداول ، صفحہ ۱۵۲

۲۳۔ بحوالہ تقی عثمانی ، مولانا ، علوم القرآن ، صفحہ ۱۷۹

۲۴۔ ایضاً ، صفحہ ۱۷۹

۲۵۔ سیوطی ، جلال الدین ، علامہ ، الاتقان فی علوم القرآن ، قاہرہ ، (س-ن) جلداول صفحہ ۶۰

۲۶۔ بخاری ، محمدبن اسمٰعیل ، الجامع الصحیح ، مصر ۱۳۴۸ھ ، جلددوم ، صفحہ ۸۴ (باب فضائل القرآن)

۲۷۔ ایضاً ، جلددوم ، صفحہ ۸۴۶

۲۸۔ ایضاً ، جلددوم ، صفحہ ۸۴۶

۲۹- آرتھر جیفری، "قرآن مجید کے متن کی تاریخ کے مطالعہ کا مواد" صفحہ ۵ - ۶
۳۰- المائدہ : ۶۷
۳۱- بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، جلد دوم صفحہ ۲۸۸ (باب تالیف القرآن)
۳۲- مسلم بن الحجاج القشیری، امام، الجامع الصحیح، مصر، باب تالیف القرآن
۳۳- علی المتقی، کنز العمّال، بیروت ۱۹۷۹ء، جلد ہفتم صفحہ ۲۴۵
۳۴- ایضاً، جلد ہفتم، صفحہ ۲۴۵
۳۵- ابن حجر عسقلانی، حافظ، فتح الباری، قاہرہ، ۱۹۴۸ء، جلد نہم، صفحہ ۹۶
۳۶ احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، دکن، ۱۹۴۰ء، جلد دوم، صفحہ ۱۶۳
۳۷- ابن کثیر، عماد الدین، حافظ، تفسیر القرآن العظیم، مطبعۃ مصطفیٰ محمد، ۱۹۴۸، جلد چہارم، صفحہ ۶۱۷
۳۸- علی المتقی، کنز العمال، جلد اوّل، صفحہ ۵۲۶
۳۹- ایضاً، جلد اوّل، صفحہ ۵۳۶
۴۰- ایضاً، جلد اول، صفحہ ۵۴۹
۴۱- سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، قاہرہ، جلد اوّل، صفحہ ۸۵
۴۲- غلام ربانی، مولانا، تدوینِ قرآن (از افادات مناظر احسن گیلانی) دہلی، ۱۹۵۱ء، صفحہ ۷۴
۴۳- ایضاً، صفحہ ۷۴
۴۴- بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، جلد سوم، باب جمع القرآن۔
مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، مصر، ۱۳۳۴ھ، جلد سوم، باب جمع القرآن۔
۴۵- ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، جلد ہفتم صفحہ ۲۴۳
۴۶- ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد دوم صفحہ ۲۶۵
۴۷- ایضاً، جلد دوم، صفحہ ۴۸۵
۴۸- عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، جلد دہم، صفحہ ۲۸
۴۹- ابن الندیم، الفہرست، المصر صفحہ ۶۶

۵۰۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ ۶۱

۵۱۔ ترمذی، محمد بن عیسٰی، سنن ترمذی، دمشق، ۱۹۶۵ء، جلد گیارہ، صفحہ ۱۲۱۔

۵۲۔ سیوطی، جلد اول، صفحہ ۷۳

۵۳۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۷۳

۵۴۔ علی المتقی، کنز العمال، جلد اول، صفحہ ۲۱۷

۵۵۔ میور، ولیم، لائف آف محمد، لندن، ۱۸۶۰ء،
جلد اول، صفحہ ۵۔

۵۶۔ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۵۸

۵۷۔ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، مصر، ۱۹۶۸، جلد اول صفحہ ۲۸۔

۵۸۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰ (ح) ۞ زرکلی، خیر الدین، الاعلام، مصر، ۱۹۲۷، جلد اول صفحہ ۲۴۴

۵۹۔ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۶۰

۶۰۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰

۶۱۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، مصر، ۱۹۵۳، جلد ثالث، صفحہ ۱۶۲

۶۲۔ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۵۹

۶۳۔ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۹۳

۶۴۔ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۶۷

۶۵۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۷

۶۶۔ حاکم، امام، مستدرک علی الصحیحین، فی الحدیث، ریاض، (س۔ن) جلد دوم، صفحہ ۲۲۹۔

۶۷۔ بحوالہ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۵۸

۶۸۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۵۸

۶۹۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰

۷۰۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰

۷۱۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰

۷۲۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰
۷۳۔ بحوالہ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰
۷۴۔ بحوالہ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰
۷۵۔ بحوالہ عبداللطیف رحمانی، تاریخ قرآن، لاہور، صفحہ ۱۹
۷۶۔ بحوالہ ایضاً، صفحہ ۱۹
۷۷۔ بحوالہ ایضاً، صفحہ ۱۹
۷۸۔ مارگولیتھ، ڈی، ایس، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، ایڈنبرگ، جلد دہم، صفحہ ۵۴۲
۷۹۔ الانعام، صفحہ ۹۳
۸۰۔ نولڈیکے، انسائیکلوپیڈیا برٹینکا، جلد تیرہ، صفحہ ۴۸۳
۸۱۔ ایضاً، جلد تیرہ، صفحہ ۴۸۳
۸۲۔ ایضاً، جلد تیرہ، صفحہ ۴۸۳
۸۳۔ ھٹینگر، ڈکشنری آف دی بائبل، صفحہ ۲۸۰
۸۴۔ میکنزی، ڈکشنری آف دی بائبل، لندن، صفحہ ۵۵۲
۸۵۔ ڈوگلس، جے، ڈی، السٹریٹڈ بائبل ڈکشنری، ہاڈر، ۱۹۸۰، جلد دوم، صفحہ ۹۵۹
۸۶۔ سمتھ، ولیم، دی نیو سمتھس بائبل ڈکشنری، نیویارک، ۱۹۶۶، صفحہ ۲۳۰
۸۷۔ نولڈیکے، انسائیکلوپیڈیا برٹینکا، جلد تیرہ، صفحہ ۴۸۳
۸۸۔ بحوالہ تقی عثمانی، علوم القرآن، کراچی، ۱۹۷۰، صفحہ ۲۹۰
۸۹۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، جلد سوئم، صفحہ